۸۷واں باب

علیٰ ملت ابراھیم حنیفا

۸۷: سُوْرَةُ اِبْرٰهِيْم [۱۴ – ۱۳: وَمَا أُبَرِّئُ]

۹۱ کتبِ آسمانی اور رسولوں کی تعلیمات، جاہلیت کی تاریکی کو روشنی سے بدلتی ہیں۔

۹۲ اَیَّامُ اللّٰہ، تاریخ کے وہ تابناک ادوار، جب اقامتِ دین کی تحریکات برپا ہوئیں

۹۴ سارے رسول انسانوں ہی کی مانند انسان [بشر] ہوتے ہیں

۹۷ دینِ حق سے کفر کے ساتھ کوئی نیک عمل مقبول نہیں

۹۷ دوزخ میں کفار کے لیڈران اپنے پیروؤں کی مدد سے انکار کر دیں گے

۹۸ شیطان شرکاء کی شفاعت اور وساطت سے نجات کے وعدے کو جھوٹ تسلیم کر لے گا

۱۰۰ ایمان کی اساس کلمہ طیبہ پر ہے جو شجر طیبہ کی مانند ہے

۱۰۱ باطل کی اساس کلمہ خبیثہ پر ہے جو شجر خبیث کی مانند ہے

۱۰۲ قرآن کے اندازِ تخاطب میں ایک نیا موڑ

۱۰۶ دُعائے ابراہیمؑ کی یاددہانی کے ذریعے شرک اور بت پرستی پر گرفت

۱۰۸ اللہ اپنے رسولوں سے وعدہ خلافی نہیں کرے گا

۱۰۹ ڈراؤ، شاید کہ صاحبان عقل دنیا کی مستی سے نکل آئیں!

۸۷واں باب

علیٰ ملت ابراھیم حنیفا

گیارہواں برس جاتے جاتے ایک خوش خبری دے گیا ہے .... یثرب کے چھ نوجوان اپنے ساتھ ایمان و اسلام کا پیغام لے کر نبی ﷺ کے دادا کی ننھیال گئے ہیں، جس کے اطراف میں پہلے ہی ایمان کا چرچا ہے؛ جہاں کی آبادی جنگوں سے نڈھال، امن کی پیاسی، زیرک قیادت کی متلاشی، توحید سے آشنا، ایک نئے نبی کی آمد سے باخبر ہے۔ اس شہرِ یثرب میں یہ چھ حواری، یہ اوّلین انصار اور وہ بھی اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ جیسے باعزم و ہمت اور اخلاص و وفا کے جواں پیکر کی سربراہی میں۔ یہ پیامِ برانقلاب، نوید انقلاب لیے اِدھر سوئے یثرب واپس روانہ ہوا ہے، اُدھر ربِ کائنات کی جانب سے اہلِ مکہ کے لیے جنھوں نے نبی ﷺ کی دعوت کو مان کر نہیں دیا ہے، ایک جلالی پیغام نازل ہو رہا ہے............ سنبھل جاؤ، ابھی وقت ہے! یہ ہے سُوْرَۃُ اِبْرٰھِیْم۔

۸۷: سُوْرَۃُ اِبْرٰھِیْم [۱۴ — ۱۳: وَمَا أُبَرِّئُ]

[نزولی اعتبار سے ۸۷ویں، مصحف میں ۱۴ویں نمبر پر، ۱۳ویں پارے وما ابری میں درج سُوْرَۃُ اِبْرٰھِیْم جو اغلباً ۱۲ویں سالِ نبوت کے آغاز میں نازل ہوئی]

پس منظر آپ کے سامنے ہے، تصور میں لائیے کہ جب یہ آیات مخاطبین کے کانوں سے ٹکرائی ہوں گی تو کیا بات اُن کے اذہان میں منتقل ہوئی ہو گی، یہی نا کہ یہ قرآن، جو محمد ﷺ اُن کے درمیان تلاوت کر رہے ہیں وہ انسانوں کو جاہلیت کی تاریکی سے نکال کر وحی کی روشنی میں زمین و آسمان اور اُن کے درمیان ہر چیز کے خالق و مالک کے طے کردہ طریقِ زندگی کی طرف بلا رہا ہے، اِس کے انکاری، سردارانِ قریش ایک شدید عذاب کے لیے تیار رہیں۔

ایک لمحہ ٹھہریے! اِن انکاریوں کا اصل مرض یہ ہے کہ وہ آخرت کے مقابلے میں اس دنیا کی زندگی پر ریجھ مرے ہیں، یہ اللہ کا بھیجا ہوا راستا چوں کہ اُن کی دنیا پرستی اور مادہ پرستی میں آڑے آتا ہے لہٰذا وہ اس راستے کو کسی طور ٹیڑھا کر دینا [یعنی ترامیم کے ذریعے اپنے ڈھب پر لانا] چاہتے ہیں۔

قرآن نے یہ بات اپنے نزول کے وقت، زمین پر موجود ایسے لوگوں کے لیے کہی تھی جو اللہ اور یومِ آخرت کے انکاری تھے، لیکن یہ کلامِ الٰہی ڈیڑھ ہزار برس بعد، آج بھی کلمہ گو برائے نام مسلمانوں کے درمیان آخرت کے مقابلے میں اس دنیا کی زندگی پر ریجھ مرنے والی اکثریت کے لیے کتنا کارآمد اور بر محل ہے، یہ قرآن کا اعجاز ہے، یہ آیات مبارکہ ہر بندۂ دینار و درہم پر کیسی صادق آتی ہیں۔ یہ آیات ہمارے درمیان کثرت سے تلاوت کی جائیں، شاید کہ قرآن کی تلاوت سے دنیا پرستی کا زنگ دور ہو، ہمارے سروں پر مسلط کلمہ گو حکم رانوں اور اہلِ ثروت کی بدعنوانیوں [corruption] اور بے راہ روی کا اصل منبع و ماخذ یہی دنیا کو آخرت پر ترجیح دینا ہے۔ اِن کی اصلاح کا صرف اور صرف ایک ہی ذریعہ ہے، ایک ہی طریقہ ہے، وہ یہ کہ ایسے لوگ جنھوں نے اپنی دنیا کو آخرت کی خاطر چھوڑ دیا ہو اور وہ دنیا میں بڑائی کے طالب نہ ہوں [۲۴]، وہ اُٹھیں اور ابنائے قوم اور ابنائے نوع کو آخرت کی طرف بلائیں، تاکہ بندگانِ رب نفس پرستی کی راہ میں حائل دین کو آسان محسوس کریں جیسا کہ وہ فی الحقیقت ہے۔

کتبِ آسمانی اور رسولوں کی تعلیمات، جاہلیت کی تاریکی کو روشنی سے بدلتی ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم الر، اے محمدؐ، یہ قرآن انسانوں کو اُن کے رب کے اِذن سے تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لانے کے لیے ہم نے تمھاری طرف نازل کیا ہے، تاکہ وہ اپنے اُس معبود حقیقی، خالق ومالک کے دین پر آجائیں، جو زبردست اور اپنی ذات میں آپ محمُود ہے اور آسمانوں اور زمین میں موجود ہر چیز کا مالک ہے۔ اور اے محمدؐ، جن لوگوں نے تمھاری دعوت کے مقابلے میں انکار کی روش اختیار کی ہے، اُن کے لیے تباہ کُن شدید سزا ہے، یہ لوگ وہ ہیں جنھوں نے دُنیا کی زندگی کو آخرت پر ترجیح دی ہے، اور لوگوں کے لیے اللہ کے دین کا راستا روک رہے ہیں اور چاہتے ہیں کہ یہ دین ان کی خواہشات پر ٹیڑھا ہو جائے، یہ لوگ پرلے درجے کی گم راہی میں ہیں [۲۵]۔ [چناں چہ دینِ حق کو واضح اور گم راہیوں کو دور کرنے

۲۴ اس بات کو قرآن یوں بیان کرتا ہے: تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا ۭ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿سُوْرَةُ الْقَصَص: ۸۳﴾ ہم یہ آخرت کا گھر تو بس، صرف اُن ہی لوگوں کے لیے رکھیں گے، جو زمین میں نہ مغرور بن کر رہتے ہیں اور نہ ہی فساد مچاتے ہیں؛ اور ساری زندگانی کی سعی وجہد کا بھلا انجام تو صرف اللہ سے ڈرتے ہوئے پرہیز گاری کی زندگی گزارنے والوں ہی کے لیے ہے۔ [کاروانِ نبوت جلد چہارم، صفحہ ۲۸۱]

۲۵ سورۃ کا آغاز ہی دھمکی اور تنبیہ سے ہونا اس بات کی شہادت دیتا ہے کہ یہ مکی زندگی کے آخری خطبات میں

کے لیے] ہم نے جو بھی رسول بھیجا ہے، اُس نے اپنی قومی زبان میں اِسے پیش کیا تاکہ وہ انھیں اُن کی ذہنی ساخت اور مانوس اصطلاحوں میں بات کماحقہ سمجھائے۔ پھر اللہ جسے چاہتا ہے گم راہ رکھتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت سے نوازتا ہے اور وہ زبردست اور حکیم ہے[۲۶]۔ .... مفہوم آیات ۱تا۴

اَیَّامُ اللہِ، تاریخ کے وہ تاب ناک ادوار، جب اقامتِ دین کی تحریکات برپا ہوئیں

اسی طور ہم موسیٰؑ کو بھی اپنی اسنادِ سفارت [نشان ہائے رسالت] کے ساتھ بھیج چکے ہیں۔ تاکہ وہ بھی [تمھارے سپرد کارِ رسالت کی مانند] اپنی قوم کو [جاہلیت کی] تاریکیوں سے [دینِ اسلام کی] روشنی میں لائے اور انھیں انسانی تاریخ کے وہ سبق آموز اور اللہ کے احساناتِ عظیم کے اَدوار [اَیَّامُ اللہِ][۲۷] یاد دلاؤ [جب اللہ کے نبیوں اور اُس کے صالح بندوں نے اللہ کے کلمے اور اُس کے دین کی اشاعت، اقامت، غلبے اور تجدید کے لیے تن من دھن سے سر دھڑ کی بازی لگائی]، بے شک اس تاریخی ریکارڈ میں ہر صابرو شاکر بندے کے لیے نشانیاں ہیں۔ .... مفہوم آیت ۵

عذاب کی دھمکی اور پھر اپنی کتاب قرآنِ مجید کے احسان کے تذکرے کے بعد ایام اللہ کی یاد

سے ہے۔ دوسری بات جو واضح ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ قرآن کس طرح سیرت النّبیؐ یا کاروانِ نبوتؐ کی تاریخ کی ایک مستند دستاویز ہے، جو مرحلہ بہ مرحلہ معاندینِ دین سے کش مکش کے دوران مکالموں اور تبدیل ہوتی حکمتِ عملی کو بیان کرتی ہے۔

۲۶ اللہ کی بالادستی اور ہر کام کا اُس کی مرضی کے مطابق خواہی ناخواہی انجام پا جانا تو ایک یقینی بات ہے، اسی ذیل میں لوگوں کی ہدایت اور گم راہی بھی ہے، جو لوگ اپنے اخلاص اور ہدایت کی طلب صادق اور اُس کے لیے کوشش سے اپنے آپ کو اُس کا حق دار ثابت کرتے ہیں اللہ اُن ہی کو ہدایت دیتا ہے بعینہٖ گم راہی بھی اُن کو ملتی ہے جو اپنے آپ کو اس کا سزاوار ثابت کرتے ہیں، یوں اُس کی طرف سے ہدایت اور گم راہی ایک حکمت اور انصاف پر مبنی عطا اور تقسیم کا مظہر ہے۔ اس لیے اختتام سلسلہ کلام یہ ہے کہ: وہ حکیم ہے۔

۲۷ ''ایّام'' کا لفظ عربی زبان میں اصطلاحًا یادگار تاریخی واقعات کے لیے بولا جاتا ہے، ایام عرب سے مراد عام طور پر اُن کی جنگیں لی جاتی ہیں۔ ''ایام اللہ'' سے مراد تاریخِ انسانی کے وہ اہم واقعات و ادوار ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے گزرے ہوئے اوقات میں قوموں یا اہم شخصیات کو نوازا یا ہلاک کر دیا، جن کا تذکرہ قرآن تبشیر و تنذیر کے لیے کرتا ہے۔ اس تعریف کے پیشِ نظر، مسلمانوں کے لیے اُن کا سنہری دور وہ ہے جب تک خلافت قایم رہی، خصوصاً خلافتِ راشدہ اور خلافت عمر بن عبدالعزیزؒ کا دور اور وہ اوقات بھی جب ہم مغلوب ہو گئے اور در در کی ٹھوکریں ہمارا مقدر رہیں۔

دہانی ہے، یہ یاد دہانی اس پسِ منظر میں بڑی اہم ہے کہ خود مکے اور حجاز کے باسی ایک بہت ہی یادگار ایام اللہ میں سے گزر رہے تھے کہ جس کی سرگزشت کے قلم بند کرنے کے لیے ہر زمانے میں دنیا کی تمام زبانوں کے لاکھوں لاکھ صفحات تاایں دم ناکافی رہے ہیں اور تاقیامت ناکافی رہیں گے، میں جو کچھ اس وقت لکھ رہا ہوں اور جس وقت آپ یہ سطور پڑھ رہے ہیں دراصل میں اور آپ دونوں اُنھی ایام اللہ کی داستان لکھ پڑھ رہے ہیں جو نبی عربی محمد ﷺ کی سرکردگی میں گزرے تھے۔ یہ ایامُ اللہ جو ۲۳ برس جاری رہے یہ اُن کے بارھویں برس کے آغاز کی بات ہے جب زیرِ گفتگو سُوْرَةُ اِبْرٰهِيْم نازل ہو رہی تھی۔ اس کی ابتدائی گفتگو میں ایام اللہ کی اہمیت کی یاد دہانی کے بعد گزرے ایک قدیم دور کے ایام اللہ کا تذکرہ ہے جو موسیٰ علیہ السلام کی سرکردگی میں برپا ہوئے تھے۔ نبیوں کی یہ سرگزشتیں، تفریحِ طبع کے شوقینوں کے لیے تو محض تاریخی واقعات ہیں جو کانوں کی لذت کو تسکین پہنچاتے ہیں، تقریروں، خطبوں اور تحریروں کی تزئین میں کام آتے ہیں، مگر جو مردانِ کار، نبیوں کی سنت پر عمل پیرا، غلبۂ دین اور اقامتِ دین کے لیے مصروف جہاد ہیں، اُن کو یہ قصے ایک راہِ عمل [road map] مہیا کرتے ہیں اور اُن انسانوں کو جو دعوت سے واقف نہیں، واقفیت بہم پہنچاتے ہیں، تاکہ اُنھیں دین کی طرف پلٹ آنے میں کوئی حجت نہ رہے کہ وہ معذرت کریں۔

اور یاد کرو جب موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ اپنے اوپر اللہ کی اُس مہربانی کا خیال کرو کہ اس نے تمھیں فرعونیوں کے پنجۂ استبداد سے چھڑایا، جو تمھیں سخت تکلیفوں کا مزا چکھاتے تھے، تمھارے بیٹوں کو مار ڈالتے اور تمھاری عورتوں کو باقی رکھتے تھے۔ بلاشبہ اس فتنے میں تمھارے خالق و مالک کی طرف سے تمھاری بڑی آزمایش تھی۔ اور جب تمھارے پروردگار نے تمھیں بہ زبانِ موسیٰؑ[۲۸] آگاہ کر دیا کہ اگر

۲۸ موسیٰ علیہ السلام کا یہ خطبہ جو انھوں نے اپنی موت سے کچھ پہلے دیا، بائیبل کی کتابِ اِستثناء میں بڑی شرح و بسط کے ساتھ نقل کیا گیا ہے، جن کا حوالہ تفہیم القرآن میں اس آیت کے حاشیوں میں درج ہے۔ ذیل میں وہاں سے دو حوالے درج کر رہے ہیں، اِن کا مطالعہ کرتے وقت یہ سوچیے کہ ناشکری کے انجام میں جس تباہی اور ذلت کی وعید موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو دی تھی، کیا آج ویسی ہی رسوائی مسلمانوں پر مسلط نہیں ہے؟ کیا کہیں ہم ناشکری کے مرتکب تو نہیں ہیں؟

”اور اگر تو خداوند اپنے خدا کی بات کو جان فشانی سے مان کر اس کے اِن سب حکموں پر، جو آج کے دن میں تجھے دیتا ہوں، احتیاط سے عمل کرے تو خداوند تیرا خدا دنیا کی سب قوموں سے زیادہ تجھ کو سرفراز کرے گا۔ اور اگر تو

[تمھاری قوم بحیثیت مجموعی اُس کی عبادت اور اس کے دین کی اقامت کے ذریعے] شکر گزاری کا اظہار کرے گی تو میں تم کو اور زیادہ نوازوں گا اور اگر ناشکری کا اظہار کرے گی، تو خیال رہے کہ میرا عذاب بہت سخت ہے۔ اور موسیٰؑ نے اُن سے کہا تھا کہ اگر تم کُفر کرو اور [تمھارے ساتھ] زمین پر بسنے والے سارے کافر ہو جائیں تو بھی اللہ کا کچھ نہ بگاڑ سکو گے وہ تو اپنی ذات میں آپ ہی محمود ہے .... مفہوم آیات ۶ تا ۸

سارے رسول انسانوں ہی کی مانند انسان [بشر] ہوتے ہیں

اگلی آیات میں ایام اللہ کے دوران، مختلف انبیاء اور مخاطب قوموں کے درمیان ایک دل چسپ مکالمہ ہے، جس کا انجام اس پر ہے کہ رسولوں نے جب یہ پوچھا کہ کیا تم اللہ کے وجود کے بارے میں شک کرتے ہو تو انھوں نے اپنی اصل الجھن یہ بتائی کہ ہمیں یقین نہیں آتا کہ تم ہمارے جیسے انسان ہو کر اللہ کے پیغمبر کیسے بن گئے، قَالُوٓا اِنۡ اَنۡتُمۡ اِلَّا بَشَرٌ مِّثۡلُنَا! یعنی تم تو ہم جیسے ہی انسان ہو۔ نبیوں نے جو جواب دیا قرآن اُنھیں یوں نقل کرتا ہے کہ: اِنۡ نَّحۡنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثۡلُكُمۡ وَلٰـكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنۡ

خداوند اپنے خدا کی بات سنے تو یہ سب برکتیں تجھ پر نازل ہوں گی اور تجھ کو ملیں گی۔ شہر میں بھی تو مبارک ہو گا اور کھیت میں بھی مبارک........ خداوند تیرے دشمنوں کو جو تجھ پر حملہ کریں، تیرے روبرو شکست دلائے گا........ خداوند تیرے انبار خانوں میں اور سب کاموں میں، جن میں تو ہاتھ ڈالے برکت کا حکم دے گا.......... تجھ کو اپنی پاک قوم بنا کر رکھے گا اور دنیا کی سب قومیں یہ دیکھ کر کہ تُو خداوند کے نام سے کہلاتا ہے تجھ سے ڈر جائیں گی۔ تو بہت سی قوموں کو قرض دے گا پر خود قرض نہیں لے گا اور خداوند تجھ کو دُم نہیں بلکہ سَر ٹھیرائے گا اور تو پشت نہیں بلکہ سر فراز ہی رہے گا"۔ (باب ۲۸۔ آیات ۱—۱۳)۔

"لیکن اگر تو ایسا نہ کرے کہ خداوند اپنے خدا کی بات سن کر اس کے سب احکام اور آئین پر جو آج کے دن میں تجھ کو دیتا ہوں احتیاط سے عمل نہ کرے تو یہ سب لعنتیں تجھ پر ہوں گی اور تجھ کو لگیں گی۔ شہر میں بھی لعنتی ہو گا اور کھیت میں بھی لعنتی........ خداوند اُن سب کاموں میں جن کو تو ہاتھ لگائے لعنت اور پھٹکار اور اضطراب کو تجھ پر نازل کرے گا........ وبا تجھ سے لپٹی رہے گی......... آسمان جو تیرے سر پر ہے پیتل کا اور زمین جو تیرے نیچے ہے لوہے کی ہو جائے گی......... خداوند تجھ کو تیرے دشمنوں کے آگے شکست دلائے گا۔ تو ان کے مقابلے کے لیے تو ایک ہی راستہ سے جائے گا مگر ان کے سامنے سات سات راستوں سے بھاگے گا......... عورت سے منگنی تو، تُو کرے گا لیکن دوسرا اس سے مباشرت کرے گا۔ تُو گھر بنائے گا لیکن اس میں بسنے نہ پائے گا۔ تُو تاکستان لگائے گا پر اس کا پھل نہ کھا سکے گا۔ تیرا بیل تیری آنکھوں کے سامنے ذبح کیا جائے گا......... بھوکا اور پیاسا اور ننگا اور سب چیزوں کا محتاج ہو کر تو اپنے اُن دشمنوں کی خدمت کرے گا، جن کو خداوند تیرے برخلاف بھیجے گا اور غنیم تیری گردن پر لوہے کا جوا رکھے گا، جب تک وہ تیرا ناس نہ کر دے........... خداوند تجھ کو زمین کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک تمام قوموں میں پراگندہ کر دے گا"۔ (باب ۲۸۔ آیات ۱۵—۶۴)۔

يَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِهٖ ان کے رسولوں نے انھیں جواب دیا کہ اس میں کیا شک، کہ ہم تو تم ہی جیسے انسان ہیں، لیکن اللہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اعزازِ نبوت سے نوازتا ہے۔ غور فرمایے کہ رسولوں نے اپنے بشر ہونے سے انکار نہیں کیا۔

اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرنے کے دل دادہ، رسولوں کو اُن کی وفات کے بعد اُنھیں اُلوھیت کے مرتبے پر فائز کرنے کے لیے پہلے مرحلے میں اُن کی بشریت کا انکار کرتے ہیں، قرآن نے رہتی دنیا تک اس مسئلے کو حل کرنے کے لیے رسولوں کا جواب نقل کر دیا۔

[اب اللہ تعالیٰ کا روئے سخن نبی ﷺ کے مخاطبین کی طرف ہے] لوگو! کیا تمھیں اُن لوگوں کے حالات کی خبر نہیں؟ [یا خبر ہے تو اُن سے سبق نہیں لیا] وہ لوگ، جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں؟ قومِ نوحؑ، عاد، ثمود اور ان کے بعد آنے والی متعدد قومیں جن کا علم اللہ ہی کو ہے؟ اُن کی جانب بھیجے گئے رسول، جب اُن کے پاس صاف پیغام اور اپنی صداقت کی واضح شہادتوں کے ساتھ آئے، تو اُن لوگوں نے حیرت و انکار کے مشترک اظہار پر بے ساختہ انگلیاں اپنے منہ میں دبالیں اور بولے کہ جس چیز کی طرف تم ہم کو بلاتے ہو ہم اُس کو نہ جانتے ہیں اور نہ ہی ماننے کو تیار ہیں، تمھاری بات کی طرف سے ہم سخت شک آمیز الجھن کا شکار ہیں۔ رسولوں نے اُن سے پوچھا کہ کیا تمھاری الجھن اور شک حق تعالیٰ کے [وجود یا خلاّقیت کے] بارے میں ہے جو آسمانوں اور زمین کا خالق ہے!! وہ تو تمھیں تمھارے گناہوں کو معاف کرنے کے لیے بُلا رہا ہے تاکہ پھر تم کو ایک طے شدہ مدّت کے لیے مہلتِ عمل دے دے۔ انھوں نے جواب دیا کہ تم تو ہم جیسے ہی انسان ہو اور چاہتے ہو کہ ہمیں اُن ہستیوں کی عبادت و بندگی سے روک دو، جن کو ہمارے باپ دادا پوجتے چلے آئے ہیں۔ اچھا تو پھر اپنی صداقت کی کوئی ناقابلِ انکار نشانی دکھاؤ۔ ان کے رسولوں نے انھیں جواب دیا کہ اس میں کیا شک، کہ ہم تو تم ہی جیسے انسان ہیں لیکن اللہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اعزازِ نبوت سے نوازتا ہے، رہی تمھاری ناقابلِ انکار نشانی [معجزے] کی بات، تو جان لو کہ یہ ہماری مجال نہیں اور نہ اختیار کہ ہم تمھیں کوئی معجزہ لا دکھائیں۔ معجزہ تو اللہ ہی کی مرضی پر منحصر ہے، اور اہلِ ایمان کو اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہیے۔ اور ہم کیوں نہ اللہ پر بھروسہ رکھیں جب کہ اُس نے ہمیں زندگی گزارنے کے طریقوں [دین اسلام] کی ہدایت بخشی ہے؟ اس دین کو ماننے اور اس پر چلنے میں جو بھی اذیّتیں تم لوگ ہمیں دوگے ہم اُن پر ضرور صبر کریں گے کہ بھروسہ کرنے والوں کا بھروسہ تو اللہ ہی پر ہوتا ہے۔ مفہوم آیات ۹ تا ۱۲

اوپر کی آیات میں آپ نے دیکھا کہ رسولوں اور اہلِ ایمان نے پورے اعتماد کے ساتھ ایمان پر صبر دکھانے کا اعلان کیا اور کہا کہ راہِ ایمان پر چلنے میں جو بھی اذیتیں تم لوگ ہمیں دو گے ہم اُن پر ضرور صبر کریں گے۔اِن آیات کا مطالعہ کرتے ہوئے یہ بات یہاں ذہن میں رہے کہ مشرکین مکہ، نبی ﷺ اور آپ کی تحریک سے عاجز آچکے تھے اور اُن کی کوئی چال آپ کی تحریک کو دبانے میں کامیاب نہ ہو سکی تھی اور اب وہ آپ کو جلاوطن یا قتل کرنے کے بارے میں سوچنے لگے تھے۔اللہ تعالیٰ گزرے ہوئے رسولوں کا انھی حالات سے گزرنے کا حوالہ دے کر بتا رہے ہیں کہ جب بھی ماضی میں منکرین نے اہلِ ایمان کے ساتھ یہ روش اختیار کی ہے تو اللہ نے منکرین ہی کو اُن کی سرزمین سے بے دخل کیا ہے اور اہلِ ایمان کو زمین پر اقتدار عطا کر دیا ہے۔یہ اللہ کی قدیم سنت ہے، جس میں کوئی تبدیلی نہیں آتی،اہلِ مکہ جان لیں،سوچ لیں!

دنیا میں قطعی طور پر اہلِ باطل کے مغلوب ہو جانے کی اطلاع کے بعد آخرت میں اُن کے دردناک اور خوف ناک انجام کی بھی اطلاع دی جا رہی ہے، یوں نبی ﷺ کے مخالفین و منکرینِ دعوت کے سامنے عن قریب واقع ہونے والی یقینی صورتِ حال کو رکھا جا رہا ہے، جس پر وہ یقین کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں، جلد ہی معلوم ہو جائے گا کہ کون سچا تھا۔

آخر کار قوم کے سرداروں نے جو رسالت اور رسولوں کی دعوت کے منکر تھے اپنے رسُولوں سے کہہ دیا کہ تمھیں تو ہر صورت میں ہماری ملت، [ہمارے دین و مذہب] میں واپس آنا پڑے گا[29]، ورنہ ہم تمھیں اپنی زمین کی حدود سے نکال دیں گے۔ منکرین کی اس دھمکی پر رسولوں کی جانب اُن کے رب نے یہ پیغامِ وحی بھیجا کہ ہم اِن دھمکی دینے والے ظالم مشرکوں ہی کو ہلاک کر دیں گے۔اور [اِن کے ناپاک وجود سے پاک کر کے] تمھیں اس سرزمین میں آباد کریں گے۔یہ جزا ہے اُن کی جو میرے سامنے جواب دہی کے لیے کھڑے ہونے سے اور میری وعید سے ڈرتے ہیں۔ انھوں نے [رسولوں کو اپنی سرزمینوں کی حدود سے باہر نکال کے، حق و باطل کی کش مکش کا] فیصلہ [کرنا] چاہا

---

۲۹ کفار کی یہ بات کہ تمھیں ہماری ملت میں آنا پڑے گا، اس بات کی ہرگز دلیل نہیں کہ بعثت سے قبل انبیاء میں سے کوئی بھی ملت جاہلیہ کا پیروکار رہا ہو، اُن کی مشرکانہ رسومات یا پوجا پاٹ میں شامل رہا ہو، اُن کا کہنا یہ تھا کہ یہ علمِ بغاوت جو تم نے بلند کیا ہے، اس سے باز آجاؤ، جس طرح اعلانِ نبوت سے قبل تم اور تمھارے قبیلے کے لوگ ملت میں جذب [بغیر کسی احتجاج کے چل رہے] تھے، خاموشی سے سب اُسی روش پر واپس آجائیں۔

تھا[اللہ نے اُن کو ہلاک کرنے کا فیصلہ سُنا دیا اور] یوں ہر سر کش اور ضدی، ناکام و نامراد ہو گیا، آخرت میں اُس کے لیے آتشِ دوزخ تیار ہے۔ وہاں اُسے زخموں کی پیپ جیسا غلیظ پانی پینے کو دیا جائے گا، جسے وہ بہ ہزار جان زبردستی گھونٹ، گھونٹ پینے کی کوشش کرے گا پھر بھی وہ اپنے حلق کے نیچے نہ اتار سکے گا۔ ہر جانب سے موت نازل ہو گی مگر وہ مرنے نہ پائے گا اور ہر آن تاابد مزید سخت سے سخت تر accelerated عذاب اُس کی جان کے درپے رہے گا۔ .... مفہوم آیات ۱۳تا۱۷

دینِ حق سے کفر کے ساتھ کوئی نیک عمل مقبول نہیں

اب دینِ حق کو ٹھکرا کر جاہلیت پر جمے رہنے کے ایک اور پہلو پر گفتگو ہے، وہ یہ کہ فطرت کی ودیعت کردہ نیکی کی جانب انسانی رغبت [۳۰] کی رہ نُمائی میں ایک جاہلیت کا مارا انسان جو کچھ بھی نیکیاں کرتا ہے جیسے رحم دلی، فیاضی، عفو و درگزر، رشتہ داروں اور ابنائے قوم کی مدد وغیرہ وغیرہ، اِن سب کی آخرت میں کوئی قیمت نہ اُٹھے گی کہ وہ تو آخرت پر یقین ہی نہ رکھتا تھا، آخرت میں نیک اعمال اُنھیں کے وزن پائیں گے جو دنیا میں نبیوں کی تعلیمات کو قبول کرکے جاہلیت سے چھٹکارا حاصل کر چکے ہوں گے۔

جن لوگوں نے اپنے رب سے کُفر کیا ہے [شرک کیا اور دینِ حق کے مقابلے میں طاغوت کی اطاعت کی] اُن سے سرزد ہونے والے نیک اعمال [صدقات و خیرات، اچھے اخلاق، والدین اور اہل و عیال کی خدمت، مظلوموں کی دادرسی وغیرہ وغیرہ] اُس راکھ کی مانند ہیں جسے ایک طوفانی دن کی آندھی نے اُڑا دیا ہو۔ وہ آخرت میں اپنے کیے [نیک اعمال] کا کچھ بھی پھل نہ پا سکیں گے، یہ انتہا درجے کی بدحالی ہے۔ .... مفہوم آیت ۱۸

دوزخ میں کفار کے لیڈران اپنے پیرووں کی مدد سے انکار کر دیں گے

اب دینِ حق کے انکار پر مُصرِ مخاطبین کو اللہ تعالیٰ ایک اور جانب سے پکارتے ہیں کہ سوچو کیا یہ

۳۰ جاہلیت کے پروردہ جدید دور کے ماہرینِ نفسیات و سماجیات نے یہ نظریہ گھڑ لیا کہ انسان جبلی طور پر بدی اور خود غرضی کی طرف مائل، جانوروں کی مانند پیٹ اور جنسی خواہشات کا غلام ہے۔ جب کہ حقیقت وہی ہے، جو انسان کو ڈیزائن کرنے والی ہستی نے بیان کی کہ اُس نے انسان کو جبلی طور پر بہترین پسندیدہ خطوط [أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ] پر پیدا کیا؛ یہ اُس کی بدبختی ہے کہ وہ شیطان کی پیروی میں بدی کی طرف مائل ہو کر بدترین مخلوق بن جاتا ہے، یوں اللہ سے بغاوت کرکے أَسْفَلَ سَافِلِينَ میں شمار ہوتا ہے۔

زمین و آسمان بغیر کسی مقصد کے پیدا کر دیے گئے ہیں؟ نہیں، اتنی بڑی کائنات، جس کی لاتعداد ہر چھوٹی بڑی چیز کی ساخت، اُس کی موجودگی یا زندگی میں ایک مقصد پوشیدہ ہو اور آپس میں اِن تمام کے مقاصد میں بڑی ہم آہنگی ہو، بے مقصد ہو ہی نہیں سکتی۔ اُس عظیم قدرت والی ذات کو جس نے اس کائنات کو پیدا کیا، تمھاری نافرمانی کی پاداش میں تمھیں ہلاک کر دینا اور تمھیں مٹا کر کسی اور کو لے آنا کیا مشکل ہو سکتا ہے؟ قرآن بڑی حکمت و دلیل سے اپنے دین کے مخالفین کو سوچ کے اس مقام پر لا کے کہتا ہے کہ سنو، وہاں جب تم جمع ہو گے تو تمھارے اور تمھارے پیچھے چلنے والوں کے درمیان جو گفتگو ہو گی، وہ بہت ہی عبرت آموز ہو گی، اگر چاہتے ہو کہ اُس سے بچ جاؤ تو آج محمد ﷺ کی مخالفت سے باز آ جاؤ!

لوگو! کیا تم غور نہیں کرتے ہو کہ اللہ نے آسمان و زمین کی تخلیق ایک مقصدِ حق سے کی ہے؟ وہ چاہے تو تم لوگوں کو [مع تمھارے سارے تمدن کے] فنا کر دے اور ایک نئی مخلوق تمھاری جگہ لا بسائے۔ اُس کے لیے ایسا کرنا قطعاً دُشوار نہیں ہے۔ روزِ قیامت، جب سب لوگ اکٹھے اللہ کے روبرو کھڑے ہوں گے، تو دنیا میں کمزور [عوام کالانعام]، اُن لوگوں سے جو اُن کے بڑے [لیڈر] بنے ہوئے تھے، کہیں گے دُنیا میں ہم نے تمھاری پیروی میں اللہ کی نافرمانی کی، پس اب کیا تم اللہ کے عذاب میں سے ہمارا بوجھ کچھ ہلکا کرو گے؟ وہ جواب دیں گے کہ اگر اللہ نے ہمیں ہدایت دی ہوتی تو ہم بھی ضرور تمھیں ہدایت دیتے۔ اب برابر ہے کہ بے قراری سے چیخیں اور چلائیں یا صبر سے چپ رہیں، ہمارے بچنے کا کوئی بھی امکان نہیں! .... مفہوم آیات ۱۹ تا ۲۱

شیطان شرکاء کی شفاعت اور وساطت سے نجات کے وعدے کو جھوٹ تسلیم کر لے گا

نبی کریم ﷺ کے مخالفین کو قیامت میں اُن کے بھیانک انجام سے ڈرانے کے بعد وہاں شیطانِ اعظم، انسان کے ازلی ابدی دشمن، ابلیس لعین کا تذکرہ ہے کہ وہ کہے گا کہ دیکھ لیا نا، اللہ نے جو وعدہ تم سے کیا تھا وہ سچا تھا اور میں نے جو تم سے وعدہ کیا تھا وہ جھوٹا تھا۔ تم نے مجھے الوہیت میں شریک بنایا تھا، میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ ایسا کرو، میں اس کا صاف انکاری ہوں۔

یہاں قرآن ایک بڑی ہی اہم بات کو زیرِ بحث لا رہا ہے کہ شرک فی الحقیقت ہے کیا؟ کیا وہ صرف مٹی اور پتھر کے ایستادہ بتوں اور مجسموں کو پوجنے یا محض زمین پر بنائی گئی لیٹی ہوئی کچی اور پکی

قبروں پر مرادیں مانگنے کا نام ہے یا اُس میں کچھ اور امور بھی شامل ہیں۔ شیطان کو کوئی بھی اپنا معبود تسلیم نہیں کرتا، نہ کوئی اُس کی نذر و نیاز کرتا ہے اور نہ ہی کوئی اُس سے شفاعت کی امیدیں رکھتا ہے اور نہ ہی کوئی اس کے آگے سجدہ تعظیمی کرتا ہے، پھر کیوں قرآن ابلیس کے قول کو بلا تردید نقل کرتا ہے کہ شیطان کو اللہ کا شریک بنایا گیا؟ محمد ﷺ کی تحریک اور پورے قرآن مجید کے مطالعے سے جو اس کا سیدھا سا جواب سامنے آتا ہے، وہ یہ ہے کہ کسی سے بھی ایسی محبت و عقیدت جیسی اللہ کی ہونی چاہیے اور کسی کی بھی ایسی اطاعت جیسی اللہ کی کرنی چاہیے، اگر کی جائے تو چاہے اُس کو خدا یا مشکل کشا یا داتا، دست گیر کہہ کر پکارا جائے یا نہ پکارا جائے، کرنے والے نے اُس کو اپنا خدا بنایا ہے، شرک کیا ہے۔ خواہ یہ اطاعت و فرماں برداری اپنے نفس کی ہو، اپنے علماء اور سیاسی لیڈروں کی ہو، اپنی قوم اور وطن کی ہو، اپنے بیوی بچوں کی ہو یا شیطان کی ہو؛ جس کسی کی بھی اللہ کے مقابلے میں بلا چون وچرا اطاعت کی گئی اور مطالبات پورے کیے گئے، اُس کو اللہ کا شریک ٹھہرایا گیا۔

جب [آخرت میں حساب کتاب کی تکمیل پر تمام انسانوں کے انجام کا] فیصلہ ہو چکے گا تو شیطان کہے گا کہ بے شک اللہ نے [نافرمانی پر جہنم کا] جو وعدہ تم سے کیا تھا وہ سچا تھا اور میں نے جو تم سے [شریکوں کی شفاعت اور وساطت سے نجات کا جھوٹا] وعدہ کیا تو دیکھ لو ہرگز پُورا نہ کیا، میرا تم پر کوئی زور تو تھا نہیں، میں نے تو بس تم کو اپنی اتباع کی دعوت دی اور تم نے [وحی کی ہدایت اور رسولوں کی دعوت کو رد کر کے] میری دعوت پر لبّیک کہا اور بات مان لی۔ اب مجھے ملامت کیوں؟ اپنے آپ ہی کو دوش دو۔ یہاں نہ میں تمھاری فریاد رسی کر سکتا ہوں اور نہ تم میری مدد کر سکتے ہو۔ [دنیا کی زندگانی میں] جو تم نے [اطاعت و فرماں برداری کے باب میں] مجھے اللہ کا شریک بنا رکھا تھا میں اس کا سرے سے انکاری ہوں، یقیناً ظالموں کے لیے تو دردناک سزا ہے[۳۱]۔ .... مفہوم آیت ۲۲

---

۳۱ ہم اس کی وضاحت میں تفہیم القرآن میں درج حاشیہ من و عن نقل کر رہے ہیں:
''یہاں پھر شرکِ اعتقادی کے مقابلے میں شرک کی ایک مستقل نوع یعنی شرکِ عملی کے وجود کا ایک ثبوت ملتا ہے۔ ظاہر بات ہے کہ شیطان کو اعتقادی حیثیت سے تو کوئی بھی نہ خدائی میں شریک ٹھیراتا ہے اور نہ اس کی پرستش کرتا ہے۔ سب اُس پر لعنت ہی بھیجتے ہیں۔ البتہ اس کی اطاعت اور غلامی اور اس کے طریقے کی اندھی یا آنکھوں دیکھی پیروی ضرور کی جا رہی ہے، اور اُسی کو یہاں شرک کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ممکن ہے کوئی صاحب جواب میں فرمائیں کہ یہ تو شیطان کا قول ہے جسے اللہ تعالیٰ نے نقل فرمایا ہے۔ لیکن ہم عرض کریں گے کہ اول تو اس کے

ایمان کی اساس کلمہ طیبہ پر ہے جو شجر طیبہ کی مانند ہے

سُوْرَۃُ اِبْرٰھِیْم اپنے نصف سے آگے بڑھ رہی ہے، کئی اہم امور کی طرف توجہ دلائی گئی ہے اور ہر ایک کے ساتھ اہلِ مکہ کو نافرمانی اور بغاوت کے روّیے پر دنیا اور آخرت میں شدید سزا و عذاب کی دھمکیاں بھی جاری ہیں جو اس سورۃ کا مرکزی موضوع ہے۔ اب تک جو موضوعات زیرِ بحث آئے ہیں اُنھیں ذہن میں مستحضر کرلیں، وہ یہ ہیں: قرآن کی اہمیت و غایت، اَیَّامُ اللہِ سے عبرت پذیری، رسولوں کی بعثت کا مقصد شرک سے روکنا، سارے رسول بشر ہی رہے ہیں، کفر کے ساتھ کوئی نیک عمل کام نہ آئے گا، دوزخ میں لیڈران اپنے پیرووں کی مدد سے انکار کردیں گے اور آخر میں اِن منکرین پر شیطان کی بندگی کی فردِ جرم۔ اس مناسب تنبیہی گفتگو کے بعد مؤمنین کی تسلی و اطمینان کے لیے بھی اور مخالف کیمپ کو مائل اور آمادہ کرنے کے لیے بتایا جارہا ہے کہ یہ دین، جو محمد ﷺ اُن کے درمیان پیش کررہے ہیں ایک حقیقی فلسفے کی اساس پر ہے وہ یہ کہ :

سارے جھوٹے خداؤں اور معبودوں کا انکار کرکے خالقِ کائنات کا اقرار کیا جائے، بس وہی ایک اکیلا عبادت کے لائق ہے اور وہی چوں کہ اپنے بندوں کی ضروریات اور اس کائنات کی ساخت سے واقف ہے، جانتا ہے کہ کیا اُن کے لیے بہتر اور فائدہ مند ہے، اُس کلمے کے اقراریوں کو چاہیے کہ اُن کو

قول کی اللہ تعالیٰ خود تردید فرمادیتا اگر وہ غلط ہوتا۔ دوسرے شرکِ عملی کا صرف یہی ایک ثبوت قرآن میں نہیں ہے بلکہ اس کے متعدد ثبوت پچھلی سورتوں میں گزر چکے ہیں اور آگے آرہے ہیں۔ مثال کے طور پر یہودیوں اور عیسائیوں کو یہ الزام کہ وہ اپنے احبار اور رُہبان کو اربابٌ من دون اللہ بنائے ہوئے ہیں (التوبہ۔ آیت ۳۱)۔ خواہشاتِ نفس کی بندگی کرنے والوں کے متعلق یہ فرمانا کہ انھوں نے اپنی خواہشِ نفس کو خدا بنالیا ہے (الفرقان۔ آیت نمبر ۴۳)۔ نافرمان بندوں کے متعلق یہ ارشاد کہ وہ شیطان کی عبادت کرتے رہے ہیں (یٰسین۔ آیت ۶۰)۔ انسانی ساخت کے قوانین پر چلنے والوں کو ان الفاظ میں ملامت کہ اذنِ خداوندی کے بغیر جن لوگوں نے تمھارے لیے شریعت بنائی ہے وہ تمھارے ''شریک'' ہیں (الشوریٰ۔ آیت نمبر ۲۱)۔ یہ سب کیا اُسی شرکِ عملی کی نظیریں نہیں ہیں جس کا یہاں ذکر ہورہا ہے؟ ان نظیروں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ شرک کی صرف یہی ایک صورت نہیں ہے کہ کوئی شخص عقیدۃً کسی غیر اللہ کو خدائی میں شریک ٹھیرائے۔ اس کی ایک دوسری صورت یہ بھی ہے کہ وہ خدائی سند کے بغیر، یا احکامِ خداوندی کے علی الرغم، اُس کی پیروی اور اطاعت کرتا چلا جائے۔ ایسا پیرو اور مطیع اگر اپنے پیشوا اور مطاع پر لعنت بھیجتے ہوئے بھی عملاً یہ روش اختیار کررہا ہو تو قرآن کی روح سے وہ اُس کو خدائی میں شریک بنائے ہوئے ہے، چاہے شرعاً اُس کا حکم بالکل وہی نہ ہو جو اعتقادی مشرکین کا ہے۔ (مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: سورۂ انعام کے حاشیے ۸۷ اور ۱۰۷ اور الکہف کا حاشیہ ۵۰ [تفہیم سورہ ابراہیم حاشیہ ۳۲]

اختیار کریں اور وہی جانتا ہے کہ کیا اُن کے لیے مضر ہے، پس اُس سے رک جائیں۔

اس کائنات میں یہی سب سے بہترین بات ہے ،یہ کلمہ طیبہ ہے جس کی اساس پر محمدِ عربی ﷺ ایک نئی اجتماعیت اور تہذیب قائم کرنے جارہے ہیں، اصلی اور طاقت ور بیج سے جو تہذیب و تمدن کا شجرِ مبارکہ نمو پائے گا، اُسی کو ساری دنیا پر چھا جانا ہے۔

[اِن ناب کار جہنم کے کندوں کے بر خلاف] جو لوگ ایمان لائے، نیک روّیے اور اعمالِ صالحہ اختیار کیے وہ آخرت میں اپنے رب کے اِذن و کرم سے ہمیشگی کے ایسے باغوں [جنتوں] میں رکھے جائیں گے جن کے نیچے اُنھیں سدا بہار رکھنے والی نہریں بہتی ہوں گی۔ وہاں پہنچنے پر اُن کا استقبال مبارک، سلامت کی صداؤں سے ہوگا۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے [اہلِ ایمان کے عقائد و اعمال کی اساس] کلمۂ طیّبہ کی مثال کیوں کر بیان فرمائی ہے! اِس کی مثال تو ایسی ہے جیسے ایک اچھی ذات کا پاکیزہ درخت [شجر طیبہ] ہو جس کی جڑیں زمین کی گہرائی میں جمی ہوں اور ٹہنیاں آسمان کی بلندیوں میں ہوں، ہر آن [سدا بہار، وہ ہر موسم میں] اپنے رب کے حکم سے اپنے پھل دے رہا ہو۔ یہ مثالیں اللہ اِس لیے دیتا ہے کہ لوگ اِن سے نصیحت حاصل کریں۔ .... مفہوم آیات ۲۳تا۲۵

باطل کی اساس کلمہ خبیثہ پر ہے جو شجر خبیث کی مانند ہے

دینِ حق کی تمثیل ایک شجرِ سایہ دار کی ہے، جس کی بنیاد وحی الٰہی سے حاصل کلمہ طیبہ پر ہے اُس کے مقابلے میں نفس کی خواہشات کے زیرِ اثر تعمیر تہذیب و تمدن کی مثال کلمہ خبیثہ کے بیج سے اُگنے والی اُس خودرو جنگلی جھاڑی کی ہے، نہ جس کی جڑیں گہری ہیں اور جو نہ ہی مضبوط و پائے دار ہے۔ اس عقلِ نارسا کی مدد سے تعمیر تمدن، کسی بھی حادثے میں ایک جھٹکے سے اُکھڑ جاتا ہے۔ قریش کو اور قریب میں واقع تمام سرزمینوں میں غالب حکم رانوں کو ایک پیغام تھا کہ کلمہ طیبہ کو قبول کر لو اور راحت پاؤ، سیرت النبیؐ کا اور قرآنِ مجید کا آج بھی ساری دنیا کے لیے یہی پیغام ہے مگر صد افسوس محمد عربی ﷺ کے وہ جاں نثار نہیں رہے جو ریاست و تمدن کے قیام سے پہلے اس کلمے کی بنیاد پر تعمیر، شخصیت کا ایک ماڈل دنیا کے سامنے پیش کر سکیں!

[اور اس کے بر خلاف، وحی کی ہدایت سے محروم عقل کی بنیاد پر استوار زندگی کے فلسفے، جاہلیت

[so called enlightenment] کی یا مشرکانہ تمدن کی اساس کلمہ خبیثہ پر ہے] کلمہ خبیثہ کی تمثیل ایک شجرِ خبیث کی سی ہے جو بس زمین کے اوپر ہی اوپر ہے، ایک جھٹکے سے اُکھاڑ پھینکا جاسکتا ہے، اس کو کوئی مضبوطی حاصل نہیں ہے۔ اللہ اہلِ ایمان کو ایک قولِ ثابت [کلمہ طیبہ] کے ساتھ دُنیا اور آخرت دونوں میں ثبات عطا فرماتا ہے، اور ظالموں کو [مشرکوں کو جو کلمہ طیبہ کو نہیں اپناتے] اللہ اُلجھاووں میں پراگندہ و سرگرداں رکھتا ہے۔ اللہ جو چاہے کرتا ہے۔.............................. مفہوم آیات ۲۶ تا ۲۷

وارثین ابراہیمؑ واسماعیلؑ پر تعجب ہے!

افسوس و تعجب ہے اِن پر، تم نے دیکھا اِن لوگوں کو [یعنی قریش کے لیڈروں کو جو وارثین ابراہیمؑ و اسماعیلؑ ہیں] جنھوں نے اللہ کی نعمت پائی [اللہ نے بے آب و گیاہ وادی کو اِن کے لیے آسایش و آرام کا شہر اور تمدن کا مرکز بنادیا اور توحید کا عَلم تھمایا تھا، بیت اللہ کی پاسبانی سونپی] اور اُنھوں نے اُس کے بدلے ناشکری کی، اپنی قوم کو ہلاکت کے گڑھے، جہنم میں لا اتارا جہاں وہ جھُلسے جائیں گے، وہ تو بد ترین ٹھکانا ہے .... اور اللہ کے کچھ شریک اور اُس کی ہم مرتبہ لائقِ عبادت، ہم سر ہستیاں گھڑلی ہیں تاکہ وہ لوگوں کو اللہ کے راستے سے بھٹکا دیں۔ اِن سے کہہ دو، تھوڑا سا عیش اور کرلو، آخر کار تمھیں پلٹ کر، جانا تو دوزخ ہی میں ہے۔.................................. مفہوم آیات ۲۸ تا ۳۰

قرآن کے اندازِ تخاطب میں ایک نیا موڑ

اگلی آیات قرآن کے نزول کی تاریخ ہی کی نہیں بلکہ اُس مہم [تحریک movement] کی تاریخ کے بھی ایک اہم موڑ کو بیان کر رہی ہیں، جو نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے براہِ راست اللہ سے رابطے میں اپنے رفقاء کے ہم راہ مکہ میں برپا کی ہوئی تھی۔ اب تک بیشتر خطاب مشرکینِ مکہ سے تھا، اُنھیں آخرت کو یاد دلایا گیا، بتوں کی نجاست سے آگاہ کیا گیا، توحید کی حقیقت کو سمجھایا گیا، رسالت محمدیؐ کو بیان کیا گیا، نزولِ قرآن مجید کے احسان کو یاد دلانے کے ساتھ اُس کی غایت و اہمیت کو سامنے لایا گیا، آفاق و انفس سے توحید و آخرت پر دلائل دیے گئے، اعتراضات کے جوابات سامنے آئے۔ سابقہ انبیاء اور عذاب یافتہ قوموں کے حالات سے قریش کو سبق آموزی اور عبرت پذیری کی دعوت دی گئی، پیار سے بھی سمجھایا گیا اور عذابِ دوزخ اور عذابِ دنیا کی دھمکیاں بھی سامنے لائی گئیں، آخرت

کی ہمیشگی والی جنتوں کی بادشاہت میں شرکت پر اُبھارا۔ جنت اور جہنم کے دل پذیر اور دل دوز احوال بیان کیے گئے، سابقہ مشرک متکبرین کے اعتراضات جو بعینہٖ وہی تھے جو سرداران قریش پیش کر رہے تھے، اُن کو دہرایا گیا، اہلِ کتاب، خصوصاً یہود سے پوچھ، پوچھ کر جو سوالات قریش کے دانش وروں نے کیے اُن کے مسکت جوابات دیے گئے اور اشاروں، کنایوں میں اُنھیں بھی پلٹ آنے کی دعوت دی گئی۔ مشرکین کو اہلِ کتاب سے پوچھ لینے کی طرف بھی آمادہ کیا گیا یا چیلنج کیا گیا، واقعات پر تبصرہ، مشرکین کے تکبر اور اُن کی بکواس پر تادیب، مؤمنین کے صبر اور مصابرت پر تحسین جاری رہی، دعوت کے مقابلے میں موسیقی اور بے قید شہوت پرستی کو لایا گیا تو اُس کی مذمت کی گئی، حالات میں جیسے جیسے تموج پیدا ہوا اُسی لحاظ سے مؤمنین کی تربیت کی گئی، آخرت کے مقابلے میں دنیا کی بے حقیقتی کو دلوں میں راسخ کیا گیا۔

جوں جوں وقت گزرتا گیا بنیادی باتوں کی دل میں اتر جانے والی مختصر سورتوں سے گفتگو تفصیلی دلائل کی جانب مڑتی چلی گئی، سال بہ سال ایک ترتیب سے قرآن کے انداز بیان میں دعوت سے اتمامِ حجت کی جانب موضوع کی تبدیلی کے آثار نمایاں ہوئے، منکرین کے لیے تفہیم کا دامن تو کبھی تنگ نہ ہوا مگر تنبیہ اور دھمکیاں بڑھتی چلی گئیں، مؤمنین کے اوصاف بیان ہوتے رہے، اِن مؤمنین وصالحین؛ اصحاب رسول اللہ ﷺ کے کردار کو دکھا کر یہ سوال سامنے رکھا گیا کہ وہ دین اچھا ہے جو اس کردار کے لوگ پیدا کرتا ہے یا تمھاری جاہلیتِ مشرکانہ جو تم جیسے اخلاقی دیوالیے اور کردار کے بودے دنیا پرست انسان پیدا کرتی ہے۔

اِس تمام کش مکش میں اہلِ ایمان کو براہِ راست من حیث الجماعت سوائے دو مرتبہ کے، کبھی اے ایمان والو! یا یہ کہ ایمان والوں سے کہو، جیسے انداز سے خطاب نہیں کیا گیا۔ اور یہ خطاب/پیغام، وہ بھی صرف دو مواقع پر [سُوْرَۃُ الْعَنْکَبُوْت :۵۶ اور سُوْرَۃُ الجاثیہ:۱۴ میں]، پانچویں برس کے وسط اور آخر میں آئے، بات واضح ہے کہ ابھی اِیمان لانے والوں کی تعمیرِ سیرت ہو رہی تھی، انفرادی سیرت کی تعمیر جماعتی ماحول کے مقابلے میں زیادہ اہم تھی، اُن پر کفار کے مقابلے میں جمے رہنا اور تلاوتِ کلام پاک اور اُس پر تفکر وتدبر کرتے رہنا ہی سب سے بڑا کام تھا۔ پہلی مرتبہ نبوت کے پانچویں برس کے نصف میں جب اُنھیں پکارا گیا تو پیغام یہ تھا کہ

مکے کی زمین، اگر بنجر ہے تو اللہ کی بندگی کے لیے زمین کی اِس کشادگی سے فائدہ اُٹھاؤ، فرمایا گیا:

يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ أَرْضِي وَاسِعَةٌ فَإِيَّايَ فَاعْبُدُونِ ﴿ سُوْرَةُ الْعَنْكَبُوت :٥٦﴾ اے مجھ پر ایمان لانے والے بندو! بے شک میری زمین کشادہ ہے، پس تم میری ہی بندگی بجالاؤ اور تمھیں چاہیے کہ اس بندگی کے لیے زمین کی اِس کشادگی سے فائدہ اُٹھاؤ۔ [کاروانِ نبوت، جلد سوم صفحہ -۱۴۷]

اسی سال آخر میں اہلِ ایمان کو ایک گروہ کی حیثیت سے پیغام دیا گیا:

قُلْ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَغْفِرُوْا لِلَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ اَيَّامَ اللّٰهِ لِيَجْزِيَ قَوْمًا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿ سُوْرَةُ الجاثیہ:۱۴﴾ اے نبیؐ، ایمان لانے والوں سے کہہ دیجیے کہ جو لوگ اللہ کی طرف سے انتقام و عذاب کا کوئی خوف نہیں رکھتے، اُن کی جانب سے کی جانے والی زیادتیوں اور ناروا حرکتوں پر درگزر سے کام لیں تاکہ اہلِ ایمان کی طرف سے اللہ خود اِن لوگوں سے اُن کے کرتوتوں کا انتقام لے۔ [کاروانِ نبوت، جلد سوم صفحہ -۲۲۱]

بعثت پر پانچ برس گزر گئے اور اِن آخری چھ ماہ میں اس اندازِ خطاب سے صرف دو مرتبہ نوازا گیا، صاحبانِ فکر اور داعیانِ دینِ حق کے لیے اس میں بڑی حکمت پوشیدہ ہے۔ مزید چھ سال بعد اب جا کر اہلِ ایمان کو بحیثیت جماعت پکارا گیا اور احکام دیے جا رہے ہیں، پچھلی دو آیات کی مانند کوئی تجویز یا پسندیدہ اطوار کی بات نہیں صاف صاف احکام آ رہے ہیں۔ زیرِ مطالعہ سُوْرَةُ اِبْرٰهِيْم کی اگلی آیات جو آپ ﷺ پر نازل ہوئی ہیں، وہ کئی لحاظ سے بہت اہم ہیں، تلاوت فرمایے:

قُلْ لِعِبَادِيَ الَّذِينَ آمَنُوا يُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُنْفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً مِّنْ قَبْلِ أَنْ يَّأْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيهِ وَلَا خِلَالٌ ﴿٣١﴾

اے نبیؐ، میرے ان بندوں کو جو [سردارانِ قریش کی مخالفت اور ستم رانیوں کے علی الرغم] ایمان لائے ہیں، کہہ دو کہ نماز قایم کریں اور اِس سے پہلے کے کہ وہ دن آئے جس میں نہ خرید و فروخت ہو گی اور نہ دوست کام آئیں گے، نیکی کے کاموں میں اُس مال میں سے کھلے اور چھپے کچھ خرچ کریں، جو ہم نے انھیں دیا ہے۔ .... مفہوم آیت ۳۱

غور فرمایے گیارہ سال میں یہ وہ پہلے دو امور ہیں، جو عمومی خطاب میں پسندیدہ اوصاف کے طور پر نہیں بلکہ اہلِ ایمان کو اپنے گروہ کے طور پر [لِعِبَادِیَ الَّذِینَ آمَنُوا] پکار کے، حکم کے لہجے میں آئے ہیں۔ یہ بھی غور کرنے کی ضرورت ہے کہ محض ادائگی صلوٰۃ کی بات نہیں کی گئی بلکہ قیام نظام صلوٰۃ کا حکم ہے، جس میں پابندی وقت کے ساتھ، نماز با جماعت کا اہتمام، اللہ سے ملاقات، اُس کے آگے خشیت و تضرع، تلاوتِ آیات شامل ہیں، ساتھ ہی مساجد کا قیام بھی اسی ذیل میں آتا ہے۔ اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ اِس کام کو وہ اپنی انفرادی یا اپنی جماعتی زندگی میں ثانوی حیثیت دے کر اور کچھ دیگر کاموں میں زیادہ وقت لگا کر دین کی خدمت کا یا اقامت دین کا کام کر سکتا ہے، تو اُسے جاننا چاہیے کہ یہ قرآن کی تعلیمات، حکمتِ اقامت دین اور سنتِ نبوی ؐ کے خلاف ہے۔ دنیا کا کوئی بھی انقلاب کسی بھی طریقے سے آسکتا ہے، اسلامی انقلاب [اقامتِ دین] کے سفر میں پہلی منزل اقامتِ صلوٰۃ کی طے کرنی ہے، جو اس منزل سے گزر گئے اور ایوانوں میں تبدیلی نہ لا سکے تو کیا غم، کم سے کم اُس چند فٹ کے جسم پر تو اسلامی انقلاب لانے میں کام یاب ہو جاتے ہیں، جسے قبر میں فرداً فرداً حساب کے لیے کھڑا ہونا ہے......... اور اگر ایک معتد بہ تعداد، فرد کی زندگی میں اس انقلاب سے گزار دی جائے تو رہروانِ شوق کو نوید ہو اور اللہ کی رحمت سے امید رکھی جائے کہ وہ بھی حاصل ہو جائے گی جسے کہا گیا: وَأُخْرَىٰ تُحِبُّونَهَا نَصْرٌ مِّنَ اللَّهِ وَفَتْحٌ قَرِيبٌ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ ﴿ سُوْرَۃُ الصَّف:۱۳﴾

جب مالک الملک نے اپنے انصار کی جماعت کو پہلی مرتبہ پکارا تو سلسلہ کلام و احکام میں اقامتِ صلوٰۃ کے بعد جو دوسری اہم ترین بات کی وہ یہ ہے کہ وَيُنفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً: اللہ نے جو مال تمھیں دیا ہے اُس میں سے کھلے اور چھپے دونوں طریقوں سے خرچ کرو، تاکہ کھلے عام خرچ کرنے سے تمھاری اجتماعیت میں اس کا چلن عام ہو اور روایت پڑے، جماعت کے دوسرے لوگ بھی خرچ کرنے پر راغب ہوں۔ اور خفیہ طور پر اس طرح کہ ایک ہاتھ سے دو تو بیوی بچے، رشتہ دار، دوست احباب، ناظم اور امیر، پیر و مرشد تو کجا، دوسرے ہاتھ کو بھی پتا نہ چلے اور تمھیں بھی یاد نہ رہے۔ اور یہ سب کسی بھی نیت سے نہیں صرف اور صرف اس لیے کہ تیاری ہو، اُس دن کے آنے کی............ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ يَوْمٌ لَا بَيْعٌ فِيهِ وَلَا خِلَالٌ جس میں نہ

خرید وفروخت ہوگی اور نہ دوست اور جتھے کام آئیں گے!

ہم سُوْرَۃُ اِبْرٰهِيْم کا مطالعہ کرتے ہوئے آگے بڑھتے ہیں، ابراہیم علیہ السلام کے ناخلف وارثین [قریش] کو تنبیہ اور دھمکیوں کے بعد اُن کے مقابل کھڑی اہلِ ایمان کی ایک صحت مند و توانا، پرجوش و سرگرم جماعت کو دیکھ کر رب العالمین اپنی مسرت کا اظہار فرماتا ہے اور پھر پلٹ کر اُنھی قریش کے نادانوں کو جنھیں دھمکیاں دی تھیں آفاق میں پھیلے ہوئے دلائل سے سمجھا رہا ہے:

انسان بڑا ہی بے انصاف اور ناشکرا ہے

وہ اللہ ہی تو ہے جس نے زمین اور آسمانوں کو پیدا کیا اور آسمانوں سے پانی برسایا، پھر اُس سے نوع بہ نوع پھل، تمھیں رزق بہم پہنچانے کے لیے پیدا کیے۔ اور اُسی نے کشتی کو تمھارے تابع کر دیا کہ سمندر میں اُس کے حکم سے چلے اور اسی نے دریاؤں کو بھی تمھارے اختیار میں دے کر نفع رسانی میں لگا دیا۔ اُس نے سُورج اور چاند کو تمھارے لیے مسخّر کیا کہ دونوں مسلسل گردش میں ہیں اور یوں وہ دن اور رات کو تمھارے لیے [ایک پابند ضابطے سے پیہم] طلوع اور غروب کرتا رہتا ہے۔ [اے انسانو! کائنات کی] ہر چیز میں سے جو تم نے طلب کیا تمھیں عطا کی گئی۔ اگر تم اللہ کی نعمتوں کا شمار کرنا چاہو تو شمار نہیں کر سکتے۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان [جب اِن سارے احسانات کے باوجود شرک کرتا ہے تو وہ ثابت کرتا ہے کہ وہ] بڑا ہی بے انصاف اور ناشکرا ہے۔ .... مفہوم آیات ۳۲تا۳۴

دُعائے ابراہیمؑ کی یاد دہانی کے ذریعے شرک اور بت پرستی پر گرفت

[اے اہلِ مکہ، وہ تاریخی لمحہ تو تمھیں] یاد ہوگا جب ابراہیمؑ نے [تعمیر کعبہ کے دوران] دُعا کی تھی کہ اے میرے پالن ہار، اِس شہر کو امن کا شہر بنا اور مجھے اور میری اولاد کو بُت پرستی کی لعنت سے بچائیو۔ میرے پالن ہار، اِن بُتوں نے تیری بڑی خلقت کو گُم راہ کیا[۳۲] [ممکن ہے کہ میری اولاد کو بھی یہ گُم راہ کردیں لہٰذا] جو میری پیروی کرے وہ میرا ہے اور جو میری تعلیمات کے خلاف راستا اختیار

۳۲ بت پتھر کے ہوں یا لکڑی یا کسی اور چیز کے، خود یہ طاقت نہیں رکھتے کہ کسی کو گم راہ کر سکیں، لیکن اِن بتوں کی پشت پر جو فلسفہ ہے اور جو مکار پجاری انسان ان بتوں کی آڑ میں اپنی خدائی کا سنگھاسن لیے کھڑے ہوتے ہیں، وہ انسانوں کو گم راہ کرتے ہیں۔ بتوں کا تذکرہ کر کے جاہلی تصورات اور جاہل فلسفیوں اور جاہل 'دانش وروں' کی جانب اشارہ ہے کہ یہ ہیں جنھوں نے ایک خلقت کو گم راہ کیا ہے۔

کرے تو یقیناً تُو اپنے بندوں کو بخشنے والا مہربان ہے۔ اے ہمارے آقا و مالک! میں نے اپنی کچھ اولاد کو اس وادی میں جہاں سبزے کا نام و نشان نہیں، تیرے محترم گھر کے پاس [تیری ہی ہدایت کے مطابق] لا بسایا ہے۔ ہمارے رب! یہ اِس لیے کیا ہے کہ لوگ یہاں نماز قایم کریں، پس تُو لوگوں کے دل ان کی طرف مائل کردے اور انھیں پھلوں کی روزی عنایت فرما تاکہ یہ شکر گزار بنیں۔ ہمارے پروردگار! یقیناً تُو جانتا ہے جو کچھ ہم چھُپاتے ہیں اور جو کچھ ہم اعلانیہ کرتے ہیں اور واقعہ یہ ہے کہ کوئی چیز نہ تو زمین میں اور نہ ہی آسمانوں کی وسعتوں میں اللہ سے چھپی ہوئی ہے۔... .... مفہوم آیات ۳۵ تا ۳۸

جناب امین احسن اصلاحیؒ کے تلمیذِ خاص جناب خالد مسعودؒ نے سیرت کو قرآن کے تناظر میں سمجھانے والی اپنی معروف کتاب 'حیات رسول اُمّی' میں اسلام سے قریش کی وحشت کے اسباب میں نبی کریم ﷺ کی جانب سے شرک اور بت پرستی پر گرفت اور بیت اللہ سے وابستہ بدعات کی تنقیص کو ایک بڑا سبب قرار دیتے ہوئے اِن آیات پر بہت ہی مناسب اور معرکہ آرا تبصرہ فرمایا ہے:

"اِن آیات میں شرک و بت پرستی سے نفرت ہر ہر لفظ سے عیاں ہے۔ پھر بیت اللہ کی ذمہ داریوں کی یاد دہانی ہے جن سے قریش غافل تو تھے ہی، وہ بدعات کو رواج دیے ہوئے تھے۔ قرآن کی یہ باتیں قریش کو کہاں ہضم ہو سکتی تھیں اور جب حضورؐ اِن کی وضاحتیں کرتے ہوں گے تو قریش کو اپنے پیروں کے نیچے سے زمین کیوں نہ کھسکتی ہوئی محسوس ہوتی ہو گی" [حیات رسولِ اُمی، صفحہ ۱۶۲]

ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ کے ناخلف وارثین نے جو کیا سو کیا، آج رسولِ اُمّی ﷺ کے وارثین کا کیا عالم ہے؟ اپنے مالک کی ناشکری اور شرک و بدعات کے ہر طور کی قدم بہ قدم پیروی نے دنیا میں ذلیل و رسوا کیا ہے، کیا ہے کوئی دیدۂ بینا جو اس حالت کو دیکھ سکے؟ اِس کا تجزیہ کر سکے؟ اور اصلاحِ احوال کے لیے، تجدید و احیائے دین کے لیے کھڑا ہو سکے!!

ابراہیم علیہ السلام کی دعا چل رہی تھی، ہم پھر اُس کا سِرا تھامتے ہیں:

تعریفیں اور شکر یے اُس اللہ ہی کے لیے ہیں جس نے مجھے اِس بڑھاپے میں اسماعیلؑ اور اسحاقؑ جیسے بیٹے دیے، کچھ شک نہیں کہ میرا رب دعائیں قبول کرنے والا ہے۔ اے میرے رب! مجھے نماز قایم کرنے والا بنا اور میری اولاد میں سے بھی ایسے لوگ اُٹھا جو نماز قایم کرنے والے ہوں۔ ہمارے رب!

میری دُعا قبول فرما! مجھے بخش دے اور میرے ماں باپ کو بھی اور سب ایمان لانے والوں [۳۳] کو اُس دن، جب حساب قایم ہو! .... مفہوم آیات ۳۹ تا ۴۱

اللہ اپنے رسولوں سے وعدہ خلافی نہیں کرے گا

اب یہ ظالم لوگ [مشرکینِ مکہ] جو کچھ [تمھاری تحریک کو دبانے کے لیے] کر رہے ہیں، اللہ کو اُس سے بے خبر نہ جانو۔ اللہ تو اِن کو [پلٹ آنے کا موقع دے کر] اُس دن تک کے لیے در گزر کر رہا ہے جب اِن کا [اگر نہ پلٹے تو] یہ حال ہو گا کہ آنکھیں خوف سے پھٹی کی پھٹی ہوں گی، منہ اُٹھائے پاگلوں کی مانند بگٹٹ بھاگ رہے ہوں گے، مُردہ لاش کی مانند، اِن کی نگاہیں جمی ہوں گی۔ ہول کے مارے دل اُڑے جاتے ہوں گے، اے محمدؐ، اِن [مشرک نادانوں] کو اُس دن سے ڈراؤ، باز آجائیں! اس سے قبل کہ وہ عذاب انھیں آلے۔ جب وہ آدھمکے گا تو [سارے ہی رسولوں کی امتوں کے] یہ ظالم مشرک کہیں گے کہ "اے ہمارے رب، ہمیں تھوڑی سی مہلت عمل اور تلافی مافات کا موقع دے دے تاکہ ہم تیرے رسولوں کی پہنچائی ہوئی دعوت قبول کر لیں، اور اُن کی اطاعت کریں........ چھوڑو، کیا تم وہی لوگ نہیں ہو، جو اِس سے پہلے قسمیں کھا کھا کر کہتے تھے کہ ہماری عظمت و قوت پر تو کبھی زوال آنا ہی نہیں ہے؟ [اب مزید مہلت مانگتے ہو حالانکہ دنیا کی زندگی میں تم رسولوں کی دعوت کی حقانیت پر خود گواہ تھے کیوں کہ] تم اُن عذاب رسیدہ قوموں کی بستیوں کے اطراف میں اور خود اُن میں رہ بس چکے تھے جنھوں نے شرک کر کے اپنے اُوپر آپ ہی ظلم کیا تھا اور تم اچھی طرح جانتے تھے کہ ہم نے اُن کو کس طرح برباد کیا اور پھر اُن کی مثالیں دے کر تمھیں ڈرایا۔ [آج یہ آتشِ دوزخ کے دہانے پر کھڑے مزید مہلت مانگنے والے، کل دنیا میں] دعوتِ حق کے خلاف اپنی ساری ہی چالیں چل رہے تھے، مگر اُن کی ہر چال

---

۳۳ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے مشرک باپ کو اس دعائے مغفرت میں اُس وعدے کی بنا پر شریک کر لیا تھا جو انھوں نے وطن سے نکلتے وقت کیا تھا کہ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ ﴿سُوْرَةُ مَرْيَم:۴۷﴾، تاہم جیسا کہ بعد میں اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ: وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَا اِيَّاهُ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ اِنَّ اِبْرَاهِيمَ لَأَوَّاهٌ حَلِيمٌ ﴿سُوْرَةُ التَّوْبَة:۱۱۴﴾ حاصلِ کلام یہ کہ جب انھیں احساس ہوا کہ اُن کا باپ تو اللہ کا دشمن تھا، اُس کے لیے دعا نہیں ہو سکتی تو انھوں نے اُس سے صاف بے زاری کا اظہار فرما دیا۔ ہم ابھی بارہویں سال کے آغاز کے واقعات اور نازل ہونے والے قرآن کا تذکرہ کر رہے ہیں، جب کہ سورہ توبہ تو کم و بیش اس زمانے کے دس سال بعد نازل ہوئی تھی، تاہم یہاں مشرک والدین کے لیے دعا کے مسئلے کی وضاحت کے لیے اس کا تذکرہ ضروری تھا۔

اکارت گئی، اگرچہ اُن کی چالیں ایسی غضب کی تھیں کہ اُن سے پہاڑ بھی ٹل جائیں۔ پس اے نبیؐ، تم ہر گز یہ خیال بھی نہ کرنا کہ اللہ کبھی اپنے رسولوں سے وعدہ خلافی کرے گا، اللہ بڑا ہی زبردست اور انتقام لینے والا ہے۔.. مفہوم آیات ۴۲تا۴۷

ڈراؤ، شاید کہ صاحبان عقل دنیا کی مستی سے نکل آئیں!

اے محمدؐ، انھیں [مشرکینِ مکہ کو] اُس دن کی ہول ناکی سے ڈراؤ، جس دن زمین اور آسمان [ٹھوک ٹھاک کر کچھ سے کچھ] تبدیل کر دیے جائیں گے اور تمام کے تمام انسان، اللہ واحد و قہار کے سامنے بے نقاب [بے یار و مددگار اور بے مال و اسباب اور بغیر کسی عزت و جاہ اور بغیر ہٹو بچو کے] حاضر ہو جائیں گے۔ اُس روز تم مجرموں [یعنی اِن بغیر ایمان لائے مر جانے والے مشرک سردارانِ قریش] کو دیکھو گے کہ اِن کے ہاتھ پاؤں زنجیروں میں جکڑے ہوں گے بارود کی جیکٹس پہنے ہوئے ہوں گے اور آگ کے شعلے اُن کے چہروں پر چڑھ رہے ہوں گے [مگر کسی دھماکے پر موت نہ آئے گی، ہر دم بڑھتے عذاب کا سامنا ہو گا]۔ یہ اِس لیے ہو گا کہ اللہ ہر شخص کو اُس کی بدکاری [شرک] کا بھرپور بدلہ دے گا۔ اللہ کو حساب لیتے کچھ دیر نہیں لگے گی۔ یہ قرآن سب انسانوں کے لیے [وقت اور جغرافیے کی حدود سے ماورا، ہر دور اور ہر سرزمین کے لیے] خبردار کرنے کے لیے بھیجا گیا ہے تاکہ اِس قرآن کے ذریعہ [اللہ کے دین سے باغی طاغی] انسانوں کو اُن کے انجام سے ڈرایا جائے اور لوگ خوب جان لیں کہ حاکم و مالک، معبودِ حقیقی بس ایک اللہ ہی ہے اور صاحبانِ عقل [دنیا کی مستی سے نکل کر] ہوش میں آجائیں۔ .... مفہوم آیات ۴۸تا۵۲

☆☆☆☆☆